© rasailojaraid.com

ڈاکٹر مُعین الدّین عقیل :

اردو کی اوّلین نسوانی خود نوشت

"بیتی کہانی"

اردو میں تخلیقی خود نوشت سوانح عمری کی مستقل روایت کا آغاز انیسویں صدی کے آخری عشروں کا واقعہ ہے - قبل ازیں اس کی تخلیق ضمنی و متعلقہ اصناف میں ملتی ہے - مثلاً سفر نامے جن میں مصنفین واقعات و مشاہداتِ سفر کے ساتھ ساتھ اپنی زندگی کے جستہ جستہ حالات بھی کہیں اختصار یا کہیں طوالت کے ساتھ بیان کرتے رہے ہیں - لیکن سفرنامے کی تخلیق مقصد اور نوعیت کے اعتبار سے خود نوشت سوانح عمری کے ذیل میں نہیں لائی جا سکتی - روزنامچے یا حوادث و واقعات پر مشتمل یادداشتیں بھی اس زُمرے میں نہیں آتیں کہ یہ مصنّف کی مربوط و مکمل سوانح عمری کا احاطہ نہیں کرتیں - اردو تذکرہ نگاروں نے جہاں ماقبل عہد اور معاصرین کے حالات اپنے تذکروں میں تالیف کیے ، بعض نے خود اپنے احوال کو بھی اس میں شامل کیا ، لیکن اس کا اختصار اور معلومات کی تشنگی اسے سوانح عمری کی معروف اور متفقہ تعریف کے تحت اس صنف میں شمار کیے جانے سے دور رکھتے ہیں - اردو شاعروں اور مصنفوں کی وہ خودنوشت سوانح عمریاں بھی ، جو فارسی زبان میں لکھی گئیں ، اردو میں تخلیق نہ ہونے کے باعث ہمارے موضوع میں نہیں آتیں -

ان اصناف اور تخلیقی و تصنیفی نوعیتوں سے قطع نظر اردو میں خودنوشت سوانح عمری ، اس موضوع پر تفصیلی و خصوصی مطالعہ کرنے والے مصنفین و محققین کے مطابق ، ۱۸۸۶ء سے قبل نہیں لکھی گئی - اس ضمن میں زیادہ سے زیادہ عبدالغفور نسّاخ (۱) اور جعفر تھانیسری (۲) کی تصنیف کردہ اردو کی اولین خودنوشت سوانح عمریاں بتائی جاتی ہیں ، جو ۱۸۸۶ء میں لکھی گئیں - جب کہ پیتمبر سنگھ (۳) اور سیّد رجب علی (۴) کی خودنوشت تاحال اس موضوع پر کام کرنے والے محقّقن اور مؤرخین ادب کے پیش نظر نہ آسکیں! اس اعتبار سے پیتمبر سنگھ کی تحریر کردہ خودنوشت کو اردو کی اوّلین خودنوشت کہا جانا چاہیے - اسی طرح ایک اور خودنوشت سوانح عمری ، اب تک منظر عام پر نہ آنے کے باعث ، کسی کی توجہ حاصل نہ کر سکی - اسے شہر بانو بیگم نے " بیتی کہانی " کے عنوان سے مئی ۱۸۸۵ء میں تصنیف کیا تھا اور قریباً ڈیڑھ سال بعد اس میں محض دیباچے کا اضافہ کر کے اسے کتابی شکل دی - اس لحاظ سے اسے نسّاخ اور جعفر تھانیسری کی مذکورہ تصانیف سے قبل تخلیق میں آنے والی اور اوّلین نسوانی خودنوشت سوانح عمری کہا جانا چاہیے (۵) -

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس تصنیف کی اہمیت صرف اس قدر نہیں کہ یہ اردو کی اوّلین خود نوشت سوانح عمریوں میں سے ایک ہے - اس عہد میں کہ ہندوستانی خواتین میں حصولِ علم اور تصنیف و تالیف کا ذوق ابھی عام نہیں ہو سکا تھا اور اپنے ابتدائی و تشکیلی مرحلے میں تھا، کسی خاتون کا تصنیف پر آمادہ ہونا اور پھر ایک ایسی صنفِ ادب کو اختیار کرنا جو اس وقت عام نہیں تھی، ایک قابلِ توجہ امر ہے - پھر اس خاتون کی یہ خود اپنی اوّلین تخلیق اور تصنیفی کاوش بھی ہے اور یہ بھی ایک تعجب خیز امر ہے کہ اس خاتون کی تعلیمی استعداد، باوجود اس کے کہ اس کا تعلق ریاست پاٹودی کے حکمراں خاندان سے تھا اور وہ رئیسِ ریاست نواب اکبر علی خاں (۱۸۱۳ء - ۱۸۶۲ء) کی دختر تھی، بہت معمولی اور واجبی تھی - مصنّفہ نے یہ خودنوشت ایک ایسی انگریز خاتون مس فلیچر (Miss Fletcher) کی فرمائش پر تصنیف کی اور اسے پیش کی، جس سے اس کا ربط و تعلق ایک ہم سبق کا سا تھا - جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کے بعد ریاستوں کی بربادی اور زندگی کے مختلف نشیب و فراز اور زیادہ تر تکلیف دہ حالات سے گزر کر مصنّفہ نے اس خودنوشت کی تصنیف کے وقت دہلی کو اپنا مسکن اور محض دل بہلانے کے لیے اس انگریز خاتون کے ساتھ درس و تدریس کا مشغلہ شروع کیا- مصنّفہ اس کو اردو بولنا سکھاتی اور وہ مصنّفہ کو لکھنا اور پڑھنا سکھاتی - یوں اسی مشغلہ کے دوران " بیتی کہانی " بھی وجود میں آئی - اس شغل سے بھی مصنّفہ کی تعلیمی لیاقت کا اندازہ ہو سکتا ہے اور ساتھ ہی اس خودنوشت کے مخطوطہ میں مصنّفہ کی املا کو دیکھ کر یہی رائے قائم ہوتی ہے، کیونکہ کئی مقامات پر املا کی غیر معروف صورتیں، جن کا ذکر ہم آگے چل کر کریں گے، نظر آتی ہیں - لیکن اس سُقم کے باوجود مصنّفہ کی زبان اور اس کا اظہار نہایت شگفتہ، سلیس و رواں اور روزمرہ و محاورہ سے آراستہ ہے - زبان اور نثر کی خصوصیات ہی پر اگر نظر رکھی جائے تو اس کی دل نشینی اور جاذبیت مصنّفہ کے خاندانی پس منظر اور اس کے ماحول کی مناسب ترجمانی کرتی ہیں-

مصنّفہ نے اپنی اس خودنوشت میں اپنی پیدائش (۱۸۴۸ء) سے لے کر اس تصنیف پر نظر ثانی (جنوری ۱۸۸۷ء) تک تقریبا چالیس سالوں کا احاطہ کیا ہے - اس خودنوشت کی تصنیف کے بعد مصنّفہ کے حالات کا علم نہیں ہوتا - جنگ آزادی کی ناکامی کے بعد، انگریزوں کے ساتھ تعاون کے نتیجے میں ریاست پاٹودی برقرار رہی اور اس کے اس وقت کے رئیس، مصنّفہ کے والد نواب اکبر علی خاں کے انتقال (۱۸۶۲ء) کے بعد نوابی کا تسلسل ان کے اخلاف میں کسی نہ کسی صورت میں اب تک جاری ہے، لیکن مصنّفہ کے بعد کے حالات کا کسی ذریعے سے کوئی علم نہیں ہوتا - اور اس صورت میں کہ خود ریاست پاٹودی اور اس کے نوابین کے بارے میں کسی مستقل ماخذ کے نہ ہونے اور محض منتشر اور ناکافی معلومات کی دستیابی کے باعث ریاست کے عہدِ مابعد کے حالات

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں ایسی کسی خاتون کے بارے میں معلومات کے کسی مستقل ماخذ کی توقع یوں بھی سود مند نہیں ہو سکتی - خود ریاست کسی اعتبار سے اہم نہ تھی - اس کا کل رقبہ ۳۵ مربع میل اور اس کی کل آبادی ، مثلاً انیسویں صدی کے اختتام تک بیس ہزار سے زائد کبھی نہ رہی ، اور اس کا مرکزی شہر جو اسی نام سے موسوم رہا ہے ، بیسویں صدی کے آغاز میں چار ہزار نفوس کی آبادی کا شہر تھا - اس شہر کے علاوہ ریاست کی کل متاع چالیس گاؤں پر مشتمل تھی - پوری ریاست میں صرف ایک ہسپتال ، ایک پرائمری اسکول اور چار دیہی مدرسے تھے - ریاست کی کل آمدنی انیسویں صدی میں غالباً دو لاکھ روپے تک بھی کبھی نہ پہنچ سکی - ۱۸۹۱ء میں اس کی کل مالگزاری کی رقم ۱۶۶۳۱ روپے طے کی گئی تھی اور زرِ محصولات سالانہ صرف ۶۵۰ روپے حکومت برطانیہ کو ادا کیا جانا تھا (۶) پیداوار میں غلّہ جات ، روئی ، نیشکر اور زعفران شامل تھے (۷) - غیر اہم ہونے کے باعث اس کا ذکر تاریخ کے صفحات سے تقریباً خارج رہا ہے (۸) اور اگر کسی نے کچھ ذکر کیا بھی ہے تو وہ حاشیوں یا چند سطروں سے زیادہ نہیں - اس صورت میں زیرِ نظر " بیتی کہانی " ریاست اور اس کے حکمرانوں کے بارے میں جو معلومات فراہم کرتی ہے ، وہ اس موضوع پر کسی مستقل ماخذ کی غیر موجودگی میں ایک بنیادی ، چشم دید اور راست ماخذ کی حیثیت رکھتی ہے -

مصنّفہ نے جو کچھ اپنے اسلاف کے بارے میں تحریر کیا ہے ، اس کے مطابق اس ریاست کے بانی مصنّفہ کے دادا ، نواب فیض طلب خاں (متوفی ۱۸۲۹ء) اصلاً پٹھان تھے ، لیکن ان کے بزرگ " شیخان " کہلاتے تھے - کیوں کہ ان کا سلسلۂ نسب اپنے وقت کے معروف صوفی رکن الدّین محمود (۹) سے ملتا ہے ، جو نیشاپور کے جوار میں ایک موضع خواف کے رہنے والے تھے - یہ حضرت مودود چشتی (۱۰) کے خلفاء میں سے تھے - اپنی بزرگی اور اپنی کرامات کے باوصف رکن الدّین محمود " خواجۂ شیخاں " کہلاتے تھے اور حضرت مودود چشتی نے انھیں " شاہِ شیخاں " کا لقب عطا کیا تھا - مصنّفہ نے اس ضمن میں " نفحات الانس " اور " سیرالاقطاب " سے متعلقہ عبارتیں نقل کی ہیں - شیخ رکن الدین محمود کی بارھویں پشت میں ایک بزرگ شیخ لالہ حسن گذرے ہیں ، جنھوں نے شہر سمانہ کے قریب ایک گاؤں مراد پورہ کو اپنا مسکن بنایا تھا اور " پیر ماٹھا " اور " زندہ پیر " کی حیثیت میں شہرت پائی تھی - انھوں نے ۱۵۶۵ء میں وفات پائی - نواب فیض طلب خاں کا سلسلہ ان ہی سے ملتا ہے - مصنّفہ نے اس سلسلے کی جو تفصیلات تحریر کی ہیں ، ان کے مطابق درج ذیل شجرہ ترتیب دیا جا سکتا ہے -

ص ۳۰۲ پر
(شجرہ منسلک ہے)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نواب فیض طلب خاں کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ بڑے بہادر اور جری انسان تھے (۱۱) یہ اور جنرل پیرون (PERRON) ، (۱۷۵۵ء - ۱۸۳۴ء) (۱۲) اور پھر لارڈ جیرالڈ لیک (GERALD LAKE) (۱۷۴۴ء - ۱۸۰۶ء) کی ملازمت میں رہے - جسونت راؤ ہلکر (۱۷۹۷ء ۱۸۱۱ء) کے مقابلے میں ایک معرکے میں بڑی بہادری کا مظاہرہ کیا - ان خدمات کے صلے میں انھیں جاگیر میں پاٹودی عطا کی گئی - یہ نواب نجابت علی خاں کے دوست تھے اور ان کی شادی نجابت علی خاں کی بہن سے ہوئی تھی (۱۳) - نجابت علی خاں ، شاہِ عالم ثانی (۱۷۵۹ء - ۱۸۰۶ء) کے عہد میں جاگیردار اور قدر و منزلت کے حامل تھے - ان کی جوانمردی کے باوصف مادھوراؤ سندھیا ۱۷۶۱ء ، ۱۷۹۴ء) نے بھی ، جب دہلی پر اس کا تسلط قائم ہوا تو ان کی حیثیت برقرار رکھی- نجابت علی خاں نے سندھیا کے ساتھ پرتاب سنگھ کچھوا (۱۷۷۸ء - ۱۸۰۳ء) پر حملے میں بڑی دلیری کے ساتھ حصہ لیا - چنانچہ اس کے صلے میں سندھیا نے شاہِ عالم سے انھیں " اسدالدّولہ ، ممتاز الملک ، ہزبر جنگ " کا خطاب دلوایا اور خود پرگنہ رُہتک اور چند گاؤں انعام میں دیے ، جو ریاست جُھجّر میں شامل ہوئے (۱۴) نواب فیض طلب خاں ان کے ساتھ مختلف معرکوں میں شامل رہے- ۱۸۰۳ء میں دہلی پر انگریزی عمل داری کے بعد یہ دونوں انگریزوں کی خیر خواہی میں رہے اور ۱۸۰۴ء میں ہلکر کے ساتھ انگریزوں کی معرکہ آرائی میں شریک رہ کر بہادری کا ثبوت دیا - چنانچہ صلۂ خدمت کے طور پر نواب نجابت علی خاں نے جاگیرِ سابقہ کی سند اور محالاتِ جُھجّر اور کانوند اور نواب فیض طلب خاں نے پاٹودی کا پرگنہ حاصل کیا- (۱۵)

دوستی اور رشتہ داری کی نسبت کے باعث پاٹودی اور جُھجّر میں بالعموم قرابت داری رہی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اگرچہ ۱۸۰۸ء میں نواب فیض طلب خاں کی اہلیہ اور نواب نجابت علی خاں کی ہمشیرہ کے انتقال کے باعث یہ رشتہ حسبِ سابق نہ رہا۔ نواب فیض طلب خاں نے اپنی اہلیہ کے انتقال کے بعد ۱۸۰۹ء میں الہ آباد میں مقیم ساداتِ نیشاپور کے ایک خاندان میں حکیم میر عبداللہ کی دختر سے شادی کی ، جن کے بطن سے مصنّفہ کے والد نواب اکبر علی خاں ۱۸۱۳ء میں پیدا ہوئے۔ دونوں ریاستوں کے درمیان نواب نجابت علی خاں کے انتقال (۱۸۱۴ء) کے بعد ان کے جانشین نواب فیض محمد خاں (۱۶) سے نواب فیض طلب خاں کا تنازع پیدا ہوا۔ چنانچہ نواب فیض طلب خاں نے ریاست جُھجّر سے اپنے تعلقات ختم کر لیے (۱۷) - یہ تعلقات پھر اس وقت مستحکم ہوئے جب نواب اکبر علی خاں نے رئیس جُھجّر نواب فیض محمد خاں کے انتقال کے بعد مسند نشینی کے مناقشے میں نواب فیض محمد خاں کے فرزند نواب عبدالرحمٰن خاں (۱۸) کی بحیثیت رئیس جُھجّر مسند نشینی میں معاونت کی (۱۹)۔ یہ روابط اس حد تک استوار ہوئے کہ جب اس خود نوشت کی مصنّفہ پیدا ہوئی ، اُسی دن (۵ ربیع الثانی ۱۲۶۴ھ - ۱۸۴۸ء) نواب عبدالرحمٰن خاں نے اپنے فرزند محمد نور علی خاں کے ساتھ اس کی نسبت طے کر دی - ان دونوں نوابین کے مابین دوستی ۱۷ اکتوبر ۱۸۵۷ء کو بغاوت کے جرم میں نواب عبدالرحمٰن خاں کی گرفتاری اور ان کے پھانسی پانے اور ریاست جُھجّر کے خاتمے تک برقرار رہے - (۲۰)

نواب اکبر علی خاں کا رُوَیّہ انگریزوں کے ساتھ دوستانہ اور مفاہمانہ رہا ، اس لیے ۱۸۵۷ء کے بعد ان کی ریاست برقرار رہی - اس دوران پاٹودی (اور جُھجّر) میں پیش آنے والے واقعات کو مصنّفہ نے تفصیل سے تحریر کیا ہے۔ (۲۱)

نواب اکبر علی خاں نے بارہ شادیاں کیں ، جن سے اولاد میں پانچ بیٹے اور بارہ بیٹیاں پیدا ہوئیں۔ مصنفہ نے ان کی جو تفصیلات بیان کی ہیں ، ان کے مطابق نواب اکبر علی خاں کے فرزندوں کا یہ شجرہ ترتیب پاتا ہے۔

م ۵ ۳ بر
(شجرہ منسلک ہے)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

محمد تقی علی خاں محمد اصغر علی خاں محمد جعفر علی خاں محمد صادق علی خاں (۲۹) محمد حشمت حسین خاں (۲۸)

نواب محمد ممتاز حسین خاں کے انتقال (۱۸۹۸ء) کے بعد نواب مظفر علی خاں (۱۸۹۳ء-؟) ان کے جانشین ہوئے (۳۰) اور ان کے بعد غالباً ان کے فرزند محمد ابراہیم خاں رئیس پاٹودی ہوئے۔ ان کے دو فرزند نواب افتخار علی خاں (۱۹۱۰ء - ۱۹۵۲ء) اور نوابزادہ شیر علی خاں (ولادت - ۱۹۱۳ء) میں سے اوّل الذکر نے ریاست کے اختیارات سنبھالے۔ لیکن تقسیمِ ہند (۱۹۴۷ء) کے بعد انھوں نے رضاکارانہ طور پر اپنی ریاست کو "انڈین یونین" میں ضم کرنے کی پیش کش کر دی۔ چنانچہ ۱۸ مارچ ۱۹۴۸ء کو ادغام کے معاہدے پر دستخط ہو گئے اور ریاست کی سابقہ حیثیت کا خاتمہ ہو گیا (۳۱)۔ اب جو بھی اس کی حیثیت ہے، اس کی امارت پر نواب افتخار علی خاں کے فرزند نواب منصور علی خاں (ولادت - ۱۹۴۱ء) فائز ہیں۔

مصنفہ رئیسِ جھجر (نواب عبدالرحمٰن خاں) کے فرزند محمد نور علی خاں سے بیاہی گئی تھیں۔ چنانچہ ریاست کے خاتمے کے بعد نواب جھجر کے سارے خاندان کے ساتھ وہ بھی تباہ حال ہوئیں اور دربدر ہو کر زندگی نہایت عسرت و تنگ دستی میں گزارنے پر مجبور ہو گئیں۔ ان کے شوہر نے ایک نا اہل و ناکارہ اور ایک بگڑے نواب کے کردار کی مثال پیش کی اور اپنا رہا سہا اثاثہ لٹا دینے کے بعد بیوی کے نہایت قلیل وظیفے پر، جو ریاست پاٹودی کے ورثاء کے لیے منظور ہوا تھا، انحصار کیا۔ ۱۸۷۱ء میں اس کا بھی انتقال ہو گیا۔ جس کے بعد مصنفہ نے اپنی مستقل علالت کے باعث لدھیانے کی سکونت ترک کر کے، کہ ریاست جھجر کے خاتمے کے بعد نواب جھجر کے سارے خاندان کو جھجر سے نکال کر جبراً وہاں منتقل کر دیا گیا تھا، ----- بہ ہزار کوشش دہلی میں قیام کی اجازت حاصل کی اور وہاں منتقل ہو گئیں۔ یہاں ان کی ملاقات ایک نسوانی ڈاکٹر مس تھورن (MISS THORN) کے توسط سے مس فلیچر سے ہوئی، جس کی فرمائش پر مصنفہ نے "بیتی کہانی" تصنیف کی۔

مصنفہ کی تعلیمی لیاقت واجبی ہونے کے باوجود زبان نہایت شگفتہ، سلیس و رواں ہے اور ضرب الامثال اور محاوروں کے بے تکلفانہ استعمال سے اس میں حد درجہ دلکشی و جاذبیت پیدا ہوئی ہے۔ اس پر دہلوی روزمرہ کا اثر خاصا واضح ہے۔ یہ مخصوص خاندانی اور گھریلو ماحول ہی تھا کہ مصنفہ نے اپنی تعلیمی کم استعدادی کے باوصف تحریر میں املا کی غلطیاں تو روا رکھیں، لیکن

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

-------- زبان کے استعمال اور جملوں کی ترتیب اور الفاظ کی نشست و برخاست کو عین فطری انداز دیا ہے کہ اظہارِ بیان کی بے ساختگی ہر جگہ نمایاں ہے - املا کی جو اغلاط مخطوطے میں ملتی ہیں وہ اس طرح کی ہیں:

اسرار	بجائے	اصرار
اساسہ	"	اثاثہ
تشنیع	"	تشنیع
نواہ	"	نواح
زیق	"	ضیق
نارا	"	نعرہ
دسترخان	"	دسترخوان
خطنہ	"	ختنہ
کپڑہ	"	کپڑا

بعض مقامات پر افعال اور اسماء وغیرہ کو توڑ کر بھی لکھا ہے جیسے

پڑھ تی	بجائے	پڑھتی
کڑک تی	"	کڑکتی
کہاں نی	"	کہانی
بی وی	"	بیوی

کہیں کہیں جمع کے قاعدوں سے بھی بے نیازی برتی ہے مثلاً

باتیں چیتیں	بات چیت
بیگماتوں	بیگمات

بعض الفاظ کو، یوں لگتا ہے خود مصنّف نے اپنے انداز میں استعمال کیا ہے، جیسے
عمری سرگزشت برائے سرگزشتِ عمر یا سوانح عمری
چند الفاظ کو ان کے قدیم لہجے کے مطابق ----- تحریر کیا گیا ہے، مثلاً -

لوں	لو
چونکی دار	چوکی دار

اسی طرح کہیں " اوس " اور " اون " لکھا ہے اور کسی جگہ " اس " اور " ان " بھی تحریر کیا ہے- روزمرّہ، ضرب الامثال اور محاوروں کا جو استعمال اس میں ملتا ہے، وہ نہایت جاذبِ توجہ ہے - کئی ایسے محاورے اور ضرب الامثال مصنّفہ نے استعمال کیے ہیں، جن میں سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بعض عام طور پر برتنے میں نہیں آتے - مثلاً

آنکھوں پر ٹھیکری رکھنا

بانکے دھاڑے تشنگی مارے

پنکی پڑنا

ٹالے بالے بتانا

ٹکڑے اڑانا

جھوٹے ہاتھ مارنا

چھری کو پائیں ان کو نہ پائیں

چھو چھو مانی ہاتھوں چھاؤنی

چیتا کرنا

دل پھریری لینا

رات الٹنا

زہرا پھٹا جانا

سو سو مون کی ایک سوم

شلکیں سر ہونا

قصے جھونا

کل جنی کا ٹوکا لگنا

کلیجے میں آبلے پڑنا

کھیت رہنا

کھیڑے بسانا

کھوجڑا کھونا

ہزار کننگوں کی ایک کننگ

زبان کی ان خصوصیات کے ساتھ ساتھ مصنّفہ کا شعری ذوق بھی خاصا تعجب خیز ہے- اپنی بات کی معنویت کے لحاظ سے برمحل اشعار کا استعمال جگہ جگہ نظر آتا ہے - اور یہ بھی توجہ طلب امر ہے کہ یہ اشعار زبان زدِ عام اور معروف اساتذہ کے نہیں - مصنّفہ کی نثر پڑھتے ہوئے یہ یقین رہتا ہے کہ اس کی زبان اور اظہار فطری ہے ، اکتسابی نہیں - اس نے چونکہ یہ ساری سرگزشت مس فلیچر کی فرمائش پر قلم بند کی ، اس لیے دورانِ سرگزشت بعض مقامات پر مصنّفہ نے اس کو "بوا" کہہ کر مخاطب کیا ہے اور پھر اپنی سرگزشت جاری رکھی ہے - اردو خودنوشت میں تخاطب کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مثال شاید ہی کہیں اور ہو - زبان کے استعمال میں روانی اور روزمرّہ کا لحاظ ، جو مصنّف کی نثر میں واضح ہے ، اُس وقت ایک عام صفت تھی - اسی طرح مقفّیٰ عبارت کا اہتمام بھی گاہے گاہے مصنّف کی نثر میں موجود ہے - اس قسم کی چند مثالیں ، جن سے اس خود نوشت کی عام لسانی خصوصیات بھی نمایاں ہوتی ہیں ، یوں ہیں -

" کبھی امیری دیتا ہے کبھی فقیری - کہیں عزت بخشتا ہے کہیں حقیری "

" میری کہانی پڑھ کر تم کیا نفع پاؤ گی ، رنج و غم کھاؤ گی ، اپنا جی دکھاؤ گی ، اور کچھ حظ نہ اٹھاؤ گی "

" جوں ہی نوالہ منہ میں ڈالا ، گولی بنا حلق میں پھنسا - کوئی رویا کوئی ہنسا "

" تدبیروں پر تدبیریں پائیں ، دواؤں پر دوائیں بدلیں "

" بھلا میں عورت ، پردہ نشین اور ایک بچّہ اور وہ بھی تین مہینے کی جان - حواس باختہ عقل حیران آگے عالم تنہائی ، نہ پاس ماں نہ باپ نہ بھائی "

" زندگی کے دن پورے کرتی ہوں جو ایسے ایسے دکھ بھرتی ہوں "

" جینا وبال ہے رات دن اسی کا خیال ہے "

" دنیا بڑی مکّار ہے ، اس کا کیا اعتبار ہے - دیکھو ابتداء میں مجھے کیا سبز باغ دکھایا ، آخر کو کس طرح خاک میں ملایا "

" دنیا دل بستگی کا مقام نہیں ، اس کا ایک جا قیام نہیں - اس پر گھمنڈ کرنا عین نادانی ہے ، کیوں کہ سرائے فانی ہے ، جو لوگ اس کا حظ اٹھاتے ہیں ، عزت کے عوض میں ذلت پاتے ہیں دنیا حسد کی جڑ ہے ، بے ایمانی کا گھر ہے - جس نے دنیا کا لحاظ و پاس کیا ، اس نے عقبیٰ کا ناس کیا "

ان آخری تین چار اقتباسات میں جو احساسِ کرب اور تلخی نظر آتی ہے ، وہ جہاں ایک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

طرف مصنّفہ کی زندگی کے ان تجربات کا نتیجہ ہے، جو اس نے اپنی تنگ دستی و تباہ حالی اور اپنوں بیگانوں سے ملنے والی اذیتوں اور مایوسی کے سبب حاصل کیے، وہیں یہ بھی دیکھا جا سکتا ہے کہ مصنّفہ نے اپنے ان تلخ تجربات کو ان کی گہرائی اور شدّت کے اعتبار سے محسوس کرتے ہوئے بیان کرنے کی بھی ایک پُرتاثیر کوشش کی ہے۔ یوں اس کی نثر کا ایک مزید وصف بھی ہے۔

مصنّفہ نے اگرچہ منظر نگاری کا اہتمام نہیں کیا، لیکن جو کچھ جیسا دیکھا، اپنے مشاہدے کو موزوں الفاظ و پیرایہ میں اس طرح بیان کیا ہے کہ اسے منظر نگاری کی ایک مناسب صورت کہا جا سکتا ہے۔ مثلاً ایک مقام پر، جب اپنے شوہر کی تباہ حالی کا سن کر وہ دہلی سے اپنے شوہر کے گھر لدھیانہ پہنچتی ہے، تو اپنے اُجڑے گھر کو جس حالت میں اُس نے دیکھا اُسے الفاظ کا یہ روپ دیا ہے:

> "گھر کو جو دیکھتی ہوں تو عجب حال ہے، جیسے کوئی لوٹ کر لے گیا۔ مکان کے صحن میں کیا دیکھتی ہوں کہ گھوڑے بندھے ہوئے ہیں۔ ہر طرف کُوڑے کرکٹ کے انبار لگے ہوئے ہیں۔ لڑکی دیکھ کر ہکّا بکّا رہ گئی۔ کیوں کہ وہ دلّی کے عمدہ مکان میں رہ کر گئی تھی۔ وہاں دیکھا تو ایک ڈھنڈار مکان دیکھا۔ خیر گھوڑے تو اُسی وقت کُھلوا کر باہر اصطبل میں بھیجے۔ دالان میں جو گھسی تو دیکھتی کیا ہوں، کوٹھری کے آگے ایک پلنگ بچھا ہے۔ اور اس پر ایک میلی کچیلی مٹی کے رنگ کی چادر کسی ہوئی ہے، جس کے دیکھنے سے گھن آتی تھی۔ اس کے آگے ایک تخت بچھا ہے۔ اس پر ایک میلا چکٹ دسترخوان کا چیتھڑا پڑا ہے۔ اس میں دو تین روٹیاں ہینی خشک لیٹی دھری ہیں۔ میں نے جانا کسی ماما اصیل کی روٹی رکھی ہے۔ اور ایک کونے میں فتیل سوز رکھا ہے۔ اب ادھر دیکھتی ہوں ادھر دیکھتی ہوں، فرش کا کہیں پتہ نہیں۔ الہیٰ بیٹھوں تو کہاں بیٹھوں۔۔۔"

یا ایک مقام پر جب جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کے دوران پاٹودی پر تباہی آئی اور حفاظت کی کوئی تدبیر نہ رہی تو اولاً رئیس پاٹودی، اور ان کے فرزند اور پھر خواتین پاٹودی سے نکل کر جھجّر کا رخ اختیار کرتی ہیں۔ مصنّفہ نے اس واقعے کی تمہید اس طرح بیان کی ہے:

> "صرف تین تو رتھیں تھیں۔ اور دو سو عورتیں۔ الہیٰ اب کیا کریں۔ کس کو چھوڑیں اور کس کو ساتھ لے چلیں۔ آخر ناچار، جتنی سواریاں رتھوں میں سمائیں وہ گچھ مچھ ہو کر سوار ہوئیں۔ باقی ماما، اصیلیں اور بیبیاں بھی پیادہ پا چلیں۔ بال بچوں کو گودیوں میں اٹھائے ہوئے۔ گٹھری بُقچی بغل میں دبائے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہوئے - حیران سرگرداں ، مرد کوئی ساتھ نہیں - بے سرا قافلہ ہے کہ جھجر کے رستے چلا جاتا ہے - اور پھر گھروں کو اکیلا چھوڑ آئے ہیں ، نہ جن پر چونکی دار ہے نہ رکھوال - مگر اس وقت کیا گھر اور کس کا مال ٹال - اگر خیال تھا تو یہ تھا کہ آگے بڑھیے اور جلدی سے جھجر پہنچیے - لیکن پیادہ پا کی حالت عجب بے کسی اور بے بسی کی تھی - پاؤں پر چھالے ، لبوں پر نالے - چشم گریاں ، آنسو رواں - کسی کا پائنچہ (پانچہ) جھاڑ میں الجھا تو کسی کا دوپٹہ کھیت کی باڑ میں الجھا - کوئی چلتی تھی ، کوئی تھکتی تھی ، کوئی اٹھتی تھی ، کوئی بیٹھتی تھی - بھلا کبھی کسی نے رستہ چلا ہو تو چلا جائے - اور جس حال میں کھٹکا یہ لگا ہوا کہ وہ باغی آئے - چوروں کا ڈر جدا - ہزار مشکل اور خرابی سے میل ڈیڑھ میل پاٹودی سے نکلے تھے - اندھیری رات ، گھٹا سر پر ٹُلی کھڑی تھی کہ بجلی جو چمکی تو سامنے سے پانچ چھے سوار کھڑے نظر آئے ---"

اس قسم کی واقعہ نگاری کے علاوہ زندگی کے روزمرّہ احوال و رسومات کا ذکر بھی مصنّفہ نے خوبصورتی اور خصوصیت کے ساتھ کیا ہے - رسومات میں سے ، مثلاً اِن رسومات کا ذکر مختلف مقامات پر آیا ہے:

بیوی کی صحنک

پیر دیدار کا کونڈا

پیالوں کی رسم

چمنا چمنی کی چٹی

شب برات کی آتش بازی

گلے کا گنڈا بڑھانا

محرم کی قفلیاں اور گوٹہ

مصنّفہ نے اپنی سرگزشت میں اپنی زندگی کے تقریباً تمام اہم واقعات کو کہیں تفصیل اور کہیں اختصار کے ساتھ بیان کر دیا ہے - اور پھر اہم مقامات پر تاریخ و سنین کے اندراج کا اہتمام بھی کیا ہے - اس اہتمام کو اور اپنی سرگزشت کے ضمن میں ریاست کے قیام کے تاریخی و سیاسی پس منظر اور اپنے اجداد کے تاریخی و سوانحی حالات کو اس نے جو خاص اہمیت دی ہے ، اس سے تاریخ سے اس کے شغف کا اظہار ہوتا ہے - بعض مقامات پر جزئیات کو بھی اس نے اس طرح تحریر کر دیا ہے کہ یہ سرگزشت اس کی زندگی اور اس کے نشیب و فراز کی ایک مکمل تصویر پیش کر دیتی ہے - مصنّفہ نے اسے ابواب یا فصلوں میں تقسیم نہیں کیا ، جگہ جگہ موضوع کے اعتبار سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بین السطور اس طرح عنوانات تحریر کیے ہیں کہ بیان کا ربط نہیں ٹوٹتا۔

جن حالات و واقعات کے نتیجے میں مصنّفہ کی زندگی متاثر ہوئی یا اس میں نشیب و فراز پیدا ہوئے، مصنّفہ نے سب ہی کو بلا کم و کاست بیان کر دیا ہے۔ اور پھر واقعات کو جزئیات کے ساتھ جس طرح تحریر کیا ہے، ان سے اس کی حقیقت نگاری اور راست گفتاری کا ثبوت ملتا ہے۔ تمہید میں خود مصنّفہ نے لکھا ہے:

> " اس کے لکھنے میں مجھے کئی باتوں کا لحاظ رہا ہے۔ اول تو یہ کہ بیان کو بہت طول نہیں دیا، مختصر کیا ہے۔ دوسرے یہ کہ خلافِ واقعہ کوئی بات نہیں لکھی۔ بناوٹ کو ہرگز دخل نہیں دیا۔ عبارت آرائی کچھ نہیں کی اور مطلب کو روزمرہ کی بول چال میں آسان لفظوں میں ادا کیا ہے۔"

مصنّفہ کی ذاتی زندگی کے ساتھ ساتھ جو حوادث، خصوصاً جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کے دوران پاٹودی اور جھجّر میں جو جو واقعات رونما ہوئے اور نتیجتاً یہاں کے رؤسا کو جن حالات کا سامنا کرنا پڑا ----- یہ سب اس سرگزشت کا حصہ ہیں۔ زندگی کے عام روزمرہ واقعات و حالات اور رسم و رواج کا ذکر بھی مصنّفہ نے جگہ جگہ اور ضروری مقامات پر کیا ہے۔ چنانچہ یہ سرگزشت ذاتی احوال کے ساتھ ساتھ اپنے زمانے کے سیاسی و تہذیبی حالات کی تصویر کشی کے لحاظ سے بھی قابل توجہ ہے

اپنی ان مجموعی خصوصیات کے اعتبار سے ----- " بیتی کہانی ":

(۱) اردو زبان و ادب کی تاریخ میں " اوّلین نسوانی خود نوشت سوانح عمری " ہے، اور

(۲) مصنّفہ نے اپنے اسلاف اور خاندان کے حوالے سے ریاست پاٹودی کی جو سینہ بہ سینہ قدیم اور چشم دید معاصر تاریخ بیان کی ہے، اس موضوع پر اسے فی الوقت واحد، اہم اور بنیادی ماخذ سمجھا جانا چاہیے۔

پیشِ نظر متن کی ترتیب اصل نسخے کے مطابق ہے۔ تمام عنوانات کا اہتمام خود مصنفہ نے کیا ہے۔ محض ابواب کی تقسیم اس راقم نے کی ہے۔ مقدمہ اور متن کے حواشی میں محوّلہ اسناد کی فہرست آخر میں شامل کر دی گئی ہے۔ وہ امور جن کی صراحت متن سے ہوتی ہے یا جو تعلیقات میں بیان کرنے ضروری سمجھے گئے، مقدّمے میں تشنہ محسوس کیے جا سکتے ہیں۔

عقیل

ٹوکیو، یکم نومبر ۱۹۹۴ء

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حواشی

(۱) مرتبہ: ڈاکٹر عبدالسبحان، مطبوعہ: کلکتہ، ۱۹۸۶ء

(۲) " تاریخ عجیبہ المعروف بہ کالا پانی "، جو تصنیف کے چار سال بعد شائع ہوئی، مطبوعہ: لاہور، ۱۸۹۰ء

(۳) مطبوعہ: مشنری پریس، کلکتہ، ۱۸۲۰ء، بحوالہ گارسیں دتاسی "HISTOIRE DE LA HINDOUIE ET HINDOUSTANIE"، جلد دوم (پیرس، ۱۸۷۱ء) ص ۵۰۹، یہاں بختبر سنگھ کی ایک اور تصنیف "سیرالاسلام" کا ذکر بھی ہے، جو اس نے نور محمد، رام کرشن اور سیّد محمد کے اشتراک سے تالیف کی تھی۔ یہ اصلاً ہندو تھا، لیکن عیسائیت اختیار کر لی تھی۔

(۴) "مختصر حال منشی سیّد رجب علی خاں بہادر ارسطو جاہ" ۱۸۶۸ء، غیر مطبوعہ، مملوکہ: ڈاکٹر گنڈا سنگھ (پٹیالہ)، بحوالہ گنڈا سنگھ "A BIBLOGRAPHY OF THE PUNJAB" (پٹیالہ، ۱۹۶۶ء) ص ۱۸۶۔

(۵) اس خود نوشت کا ایک نسخہ ڈاکٹر محمد ایوب قادری مرحوم (۱۹۲۶ء - ۱۹۸۳ء) کو ان کے انتقال سے کچھ قبل دستیاب ہوا تھا۔ وہ اسے اشاعت کے لیے ترتیب دینے کے خواہاں تھے، لیکن ان کی ناگہانی و حادثاتی رحلت (۲۵- نومبر ۱۹۸۳ء) کے باعث ان کی یہ خواہش قرطاس و قلم تک نہ پہنچ سکی۔ راقم نے مرحوم کے فرزند سعید حسن قادری سے اس نسخے کا عکس حاصل کرکے اسے ضروری تعلیقات کے ساتھ مرتب کیا ہے۔ خود نوشت بہت طویل نہیں۔ قلمی نسخہ ۱۸ X ۲۳ / ۸ کے محض ۸۹ صفحات پر مشتمل ہے۔ جس کے ہر صفحے پر کم و بیش ۱۸ سطریں ہیں۔

(۶) " THE IMPERIAL GAZETTEER OF INDIA " جلد ۲۰ (آکسفورڈ، ۱۹۰۸ء) ص ۲۷، ۱۸۹۳ء میں ۹۲۰۰۱ روپے مالگزاری ادا کی گئی تھی۔ ایل ایچ گریفن "THE RAJAS OF PANJAB" (L. H. GRIFFEN) (لندن، ۱۸۷۳ء) جلد دوم، ص ۳۷۳ و ۱۸۷۷ء میں آمدنی ۹۲۷۳۴ روپے تھی۔ گوری شنکر "چھٹا قلزم" (دہلی ۱۸۷۹ء) ص ۹۳۔ ۱۸۸۸ء میں یہ آمدنی ۱۹۰٬۰۰۰ روپے ہوئی، چارلس میسی " CHIEFS AND FAMILIES OF NOTE..." (CHARLES MASSY) (الہ آباد، ۱۸۹۰ء) ص ۲۱۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(۷) گوری شنکر ، تصنیف مذکور ، ص ۹۴۔

(۸) یہ کمشنری دہلی کے ماتحت ، دہلی کے قریب راجپوتانے کی جانب ایک چھوٹی سی ریاست تھی ، جو "ضلع رُہتک سے محروم ہو جانے کے بعد چھوٹی سی نہ رہ جاتی تو دارالحکومت سے بہت زیادہ قریب واقع ہونے کے باعث اِسے برقرار رہنے کی کبھی اجازت نہ دی جاتی ---- اِس ریاست کی رسمی طور پر سلامی نہیں تھی ۔ اُس زمانے میں دارالحکومت کے اس قدر قریب بندوق ، توپ یا بارود کا کسی بھی صورت میں استعمال یکسر خارج از بحث تھا" ---- نوابزادہ شیر علی خاں "پاکستان اور ہندوستان میں سیاست اور سپہ گری کی روداد" (لاہور ، ۱۹۸۳ء) ص ۱۴- ۱۵۔

(۹) ان کے حالات : دارا شکوہ "سفینۃ الاولیاء" (کانپور ، ۱۹۰۰ء) ص ۹۱- ۹۲ میں ہیں ۔

(۱۰) ایضاً ، ص ۹۱ و نیز عبدالرحمن جامی "نفحات الانس" (کلکتہ ، ۱۸۵۸ء) ص ۳۴۷۔

(۱۱) "THE IMPERIAL GAZETTEER OF INDIA" جلد ۲۰ ، ص ۲۷ میں انھیں سہواً طلب فیض خاں لکھا ہے۔ "فیض طلب خاں مرحوم ، جہاں دیدہ اور زمانے کا گرم سرد چکھے ہوئے ہے ۔ فوج اور ملک کے کام میں ہوشیار ، مہمان نواز اور نہایت کفایت شعار ہے" عبدالقادر خاں رامپوری "وقائع عبدالقادر خانی" (علم و عمل) مرتبہ : محمد ایوب قادری جلد اول (کراچی ، ۱۹۶۰ء) ص ۳۲۲۔

(۱۲) اصلاً PIERRE GULLIER ، بحوالہ بک لینڈ ، سی ای (BUCKLAND ، C.E) "DICTONARY OF INDIAN BIOGRAPHY" (لندن ، ۱۹۰۶ء) ص ۳۳۳۔

(۱۳) سی یو ایچی سن (C. U. AITCHISON) نے انھیں سہواً بھائی لکھا ہے۔
"A COLLECTION OF TRAEATIES, ENGAGEMENTS AND SANADS..."
(کلکتہ ، ۱۸۹۲ء) حصہ اول ، ص ۴

(۱۴) چارلس میبی ، تصنیف مذکور ، ص ۲۲

(۱۵) ان کے علاوہ نارنول ، بدلی ، کنتی ، بندول نامی گاؤں بھی انھیں اس شرط پر ملے کہ وہ چار سو گھوڑے انگریزوں کو دیں گے ۔ "INDEX TO TITLES" مرتبہ ، گورنمنٹ آرکائیوز آف انڈیا ، دہلی (دہلی ، ۱۹۷۰ء)

(۱۶) متوفی ۲۲ جمادی الثانی ۱۲۵۱ھ مطابق ۱۶ اکتوبر ۱۸۳۵ء ، منشی غلام نبی "تاریخ جھجر" (مطبوعہ : فیض احمدی ، ۱۸۹۶ء) ص ۲۲۰ ، ونیز "INDEX TO TITLES" ص

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

-۵۹

(۱۷) نواب نجابت علی خاں کے عہد میں نواب فیض طلب خاں نائب اور مختارِ کل دخل اور خرچ نواب نجابت علی خاں کے تھے اور نواب نجابت علی خاں سے سوائے پرگنہ پاٹودی کے دو پرگنے اپنے نام جاگیر لکھوا لیے تھے - بعد وفات نواب نجابت علی خاں کے ، درمیان نواب فیض محمد خاں اور فیض طلب خاں کے قضایا ہوا - اور نواب فیض محمد خاں کے پرگنات اور جھجر اور بدلی نواب فیض طلب خاں سے چھین لیے - نواب فیض طلب خاں سرکار میں نالشی ہوئے اور سندِ مہری نواب نجابت علی خاں کی پیش کی - نواب فیض محمد خاں نے جواب دیا کہ میرے باپ کی مہر آپ کے پاس رہتی تھی ، اپنے ہاتھ سے مہر کر لی ہو گی -" "کیفیتِ ریاستِ جھجر" (قلمی) ، مخزونہ ٠ برٹش میوزیم ، (لندن) OR 1733 ، جلد ۸ ، ورق ۴۰-۴۱

(۱۸) " اسد الدّولہ ، ممتاز الملک بہادر ، ہزبر جنگ " خطاب - " جوان ، قوی ہیکل اور وجیہ تھا اور ضروری علم فارسی اور عربی اس کو حاصل تھا اور نصف سے زیادہ کلام اللہ بھی اسے حفظ تھا - انگریزی میں بھی مہارت رکھتا تھا " منشی غلام نبی " تاریخ جھجر " ص ۲۵۷ ، " بہت قابل لوگوں میں سے تھے - عربی ، فارسی ، انگریزی میں پوری مہارت رکھتے تھے -" خواجہ حسن نظامی " دِلّی کی سزا " (دہلی ، ۱۹۴۶ء) ص ۴۷ ، ۶۴ ، و نیز بشیر الدّین احمد " واقعاتِ دارالحکومتِ دہلی " حصّہ سوم (دہلی ، ۱۹۹۰ء) ص ۲۶۴-

(۱۹) منشی غلام نبی ، تصنیفِ مذکور ص ۲۴۴- ۲۴۵-

(۲۰) انھیں ۲۳ دسمبر ۱۸۵۷ء کو لال قلعہ دہلی کے سامنے پھانسی دی گئی - ان کے بارے میں ایسی شہادتیں بھی ملتی ہیں کہ انھوں نے جہاں انقلابیوں کا ساتھ دیا وہیں انگریزوں کے ساتھ بھی تعلقات استوار رکھنے چاہے - تھامس مٹکاف (THOMAS METCALF) (۱۸۲۳ء - ۱۸۸۳ء) ، مجسٹریٹ دہلی ، ان کا ذاتی دوست تھا اور بغاوت کے دنوں میں انھوں نے مٹکاف کی مدد بھی کی تھی - لیکن اُس نے ان کی کوئی مدد نہ کی " TWO NATIVE NARRATIVES OF THE MUTINY AT DELHI" (ویسٹ منسٹر ، ۱۸۹۸ء) ص ۲۴۳ ، اُن کے خسر نواب عبدالصمد خاں نے تین سو سپاہیوں کے ساتھ بدلی سرائے کے مقام پر انگریزی فوج سے مقابلہ کیا ، لیکن ان کے بقیہ ۷۰ سپاہیوں نے کرنال میں انگریزی فوج کی معاونت کی- " ROHTAK DISTRICT GAZETTEER , 1883-84 " (لاہور ، ۱۸۸۵ء) ص ۲۹- ۳۱ ، جھجر اور جنگ آزادی کے لیے: منشی غلام نبی " تصنیفِ مذکور ، ص ۲۶۳-

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۲۷۸ ، ونیز مہاراج کشن رائے بہادر "تاریخ ضلع رہتک " (لاہور ، ۱۸۸۴ء) ص ۷۲-۹۲-

(۲۱) نواب اکبر علی خاں کے اس دورانی رویے کے لیے : کمال الدین حسینی "قیصر التواریخ " جلد دوم (لکھنؤ، ۱۹۰۷ء) ص ۴۵۷ ، چارلس میسی ، تصنیفِ مذکور ، ۲۳-۲۴ ، " اکبر علی خاں نے نواب جھجر اور دیگر ریاستوں کے حکمرانوں کے ساتھ بہادر شاہ ظفر سے ملنے کی درخواست کی ، لیکن انکار کر دیا گیا " عبداللطیف "۱۸۵۷ء کا تاریخی روزنامچہ " مرتبہ : خلیق احمد نظامی (دہلی ۱۸۵۸ء) ص ۷۵ ، ۱۳۹ - ۱۴۰ ، ۱۷۸ ، جب کہ منشی جیون لال نے لکھا ہے کہ اُنھوں نے ایک عرضی دے کر ملاقات سے معذوری ظاہر کی تھی ، لیکن اُنھیں حکم ملا کہ جلد حاضر ہوں- ایضاً ، ص ۱۷۸ ونیز مٹکاف ، تصنیفِ مذکور ، ص ۹۷ ، بغاوت کے دوران گوڑگاؤں کے ڈپٹی کمشنر فورڈ (FORD) کا محافظ دستہ پاٹودی کا فراہم کردہ تھا - "GORGAON DISTT. GAZETTEER , 1910" حصّۂ اوّل (لاہور ۱۹۱۱ء) ص ۲۳ ، بغاوت کے دوران رئیس پاٹودی کو بہادر شاہ ظفر کی جانب سے شُقّہ بھیجا گیا تھا (امداد و اعانت کے لیے) لیکن اُنھوں نے کوئی جواب نہ دیا - مرزا حیرت دہلوی ، " چراغِ دہلی " (دہلی ، ۱۹۸۶ء) ص ۲۵۴ ، ونیز این اے چک (N. A. CHICK) " ANNALS OF INDIAN REBELLION " (لندن ، ۱۸۶۰ء) ص ۱۵۵ ، نواب عبدالرحمٰن خاں کا ایک خط بنام گریٹ ہیڈ (GREAT HEAD) مورخہ ۱۹ اگست ۱۸۵۷ء ، مشمولہ : سلیم قریشی "غدّاروں کے خطوط " (دہلی ، ۱۹۹۴ء) ص ۱۳۳- ۱۳۴ جنگ آزادی کے دوران اُن کے اور نواب اکبر علی خاں کے رویوں کو پیش کرتا ہے-

(۲۲) " تذکرۂ رؤسائے پنجاب " مصنفہ : سر لیپل ایچ گریفن اور کرنل میسی ، اردو ترجمہ : سیّد نوازش علی (لاہور ، اشاعتِ ثانی ، ۱۹۹۳ء) ص ۹۴۷ کے مطابق ان کی وفات ۱۸۶۲ء میں ہوئی -

(۲۳) ایضاً میں سنہ وفات ۱۸۷۳ء درج ہے -

(۲۴) ولادت : ۱۸۶۳ء ، ایضاً ، یہاں ان کے فرزند کا نام محمد ابراہیم علی خاں (ولادت : ۱۸۸۷ء) بتایا گیا ہے-

(۲۵) ایضاً میں ان کا نام وسعت علی خاں اور سنہ ولادت ۱۸۷۰ء تحریر ہے اور ان کے فرزندوں کے یہ نام درج ہیں: محمد فیاض علی خاں (ولادت : ۱۸۹۴ء) اور محمد حامد علی خاں -

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(۲۶) ایضاً کے مطابق ان کا انتقال ۱۹۰۳ء میں ہوا۔

(۲۷) ولادت : ۱۸۷۳ء ایضاً ، یہاں ان کے فرزند کا نام محمد جمیل الرحمٰن خاں اور سنہ ولادت ۱۹۰۳ء تحریر ہے۔

(۲۸) ایضاً میں ان کی وفات کا سنہ ۱۹۰۱ء تحریر ہے۔ جب کہ ان کے فرزندوں کے نام یہ ہیں : محمد حسین خاں (ولادت : ۱۸۶۷ء) ، محمد احمد حسین خاں (ولادت : ۱۸۶۸ء) ، محمد شمشاد حسین خاں (ولادت ، ۱۸۹۳ء) ، محمد سعادت حسین خاں (ولادت : ۱۸۹۹ء) ۔ ان میں سے محمد احمد حسین خاں کے فرزندوں کے یہ نام درج ہیں : محمد صابر علی خاں (ولادت - ۱۸۹۵ء)۔

محمد منور علی خاں (ولادت: ۱۸۹۸ء) ، محمد انور علی خاں (ولادت : ۱۸۹۹ء) ، محمد نواب خاں (ولادت : ۱۹۰۱ء)

(۲۹) " THE IMPERIAL GAZETTEER OF INDIA " جلد ۲۰ ، (لندن ، ۱۹۰۸ء) ص ۲۷ میں ان کا سنہ پیدائش سہواً ۱۸۶۳ء تحریر ہے ، لیکن نوابی کے اختیارات ملنے کا سنہ ۱۸۹۸ء بتایا گیا ہے ۔ مصنّف نے نواب محمد مختار حسین خاں کی اولاد میں ایک دختر اور محض ایک فرزند نواب محمد ممتاز حسین خاں کا ذکر کیا ہے ، جب کہ اسی خانوادے کے ایک فرد نوابزادہ شیر علی خاں نے انھیں اپنا بڑا تایا قرار دیا ہے ۔ اور اپنے والد محمد ابراہیم علی خاں (۱۸۸۷ء - ۱۹۱۷ء) کو ان کا چھوٹا بھائی بتایا ہے ۔ تصنیفِ مذکور ، ص ۲۵ ، لوہارو کے نوّاب شمس الدّین احمد خاں (متوفی ۱۸۳۵ء) کے نواسے نوّاب قاسم علی خاں کی دختر سردار جہاں بیگم نوّاب ممتاز حسین خاں سے منسوب ہوئیں۔ یہ سائلؔ دہلوی (۱۸۶۳ء - ۱۹۴۵ء) کی ماموں زاد بہن تھیں اور بے اولاد ہیں ۔ حفیظ الرحمن واصف " تذکرۂ سائل " (دہلی ، ۱۹۷۵ء) ص ۴۷ ، ۴۸ ، ۷۷ ، نوّاب ابراہیم علی خاں کی شادی شہر بانو بیگم دختر نوّاب سر امین الدّین احمد خان عرف فرخ مرزا (۱۸۶۰ء - ۱۹۲۳ء) ولد نواب علاءالدّین احمد خان لوہارو (متوفی ۱۸۸۴ء) سے ہوئی تھی ، ایضاً ص ۵۷ ، نوّاب افتخار علی خاں (۱۹۱۰ء - ۱۹۵۲ء) فرزند نوّاب ابراہیم علی خاں ، سائلؔ دہلوی کی بھانجی کے فرزند ہونے کی وجہ سے ان کے نواسے تھے ۔ ایضاً ص ۵۷ ، ۱۲۴ ، نوابین لوہارو کے لیے : متعدد مآخذ میں سے " تذکرۂ رؤسائے پنجاب " ص ۹۹۷ و بعدہ اور " DISTRICT GAZETTEER OF LOHARO STATE " (لاہور ، ۱۹۱۶ء) ص ۲ - ۷ ۔

(۳۰) " تذکرۂ رؤسائے پنجاب " ص ۹۸۰ ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(۳۱) وی - پی - مینن

" THE STORY OF THE INTEGRATION OF THE INDIAN "

STATE (بمبئی، ۱۹۵۶ء) ص ۳۰۹-

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شجرہ متعلق بہ صفحہ ۲۸۸

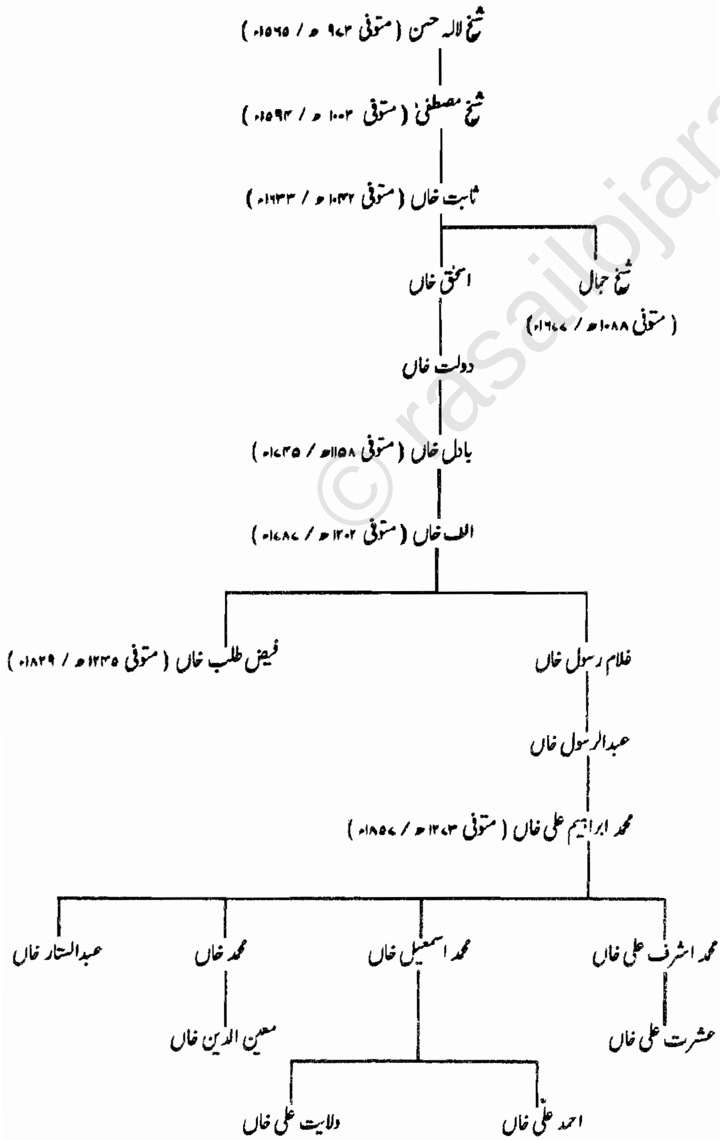

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شجرہ۔ متعلق بہ صفحہ ۲۹۰

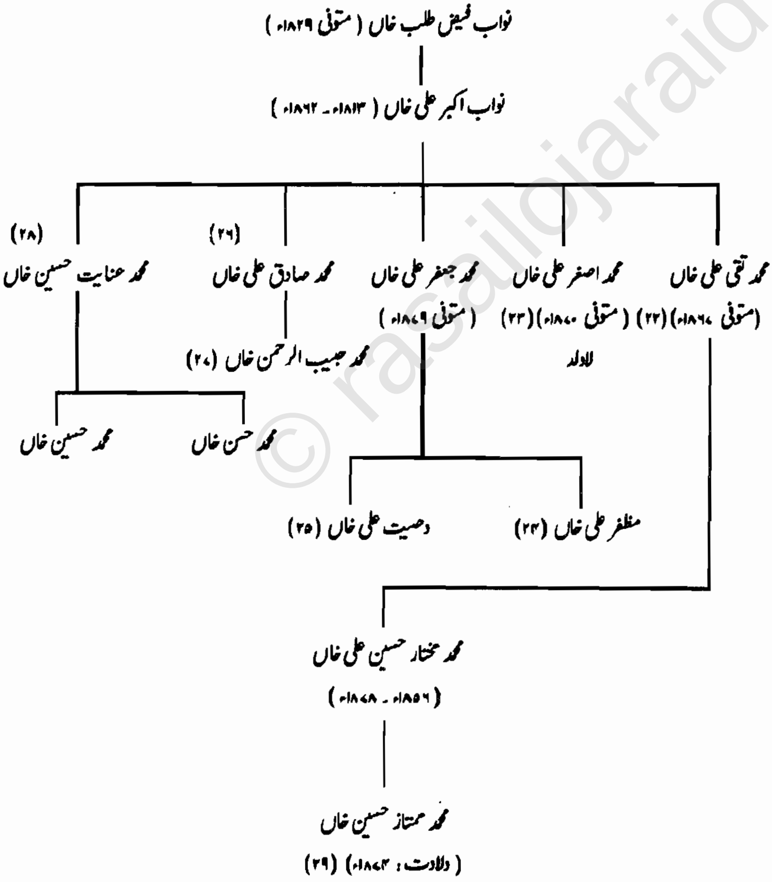

("بیتی کہانی" کا متن مع اسناد محولہ "گوشۂ متون" میں ملاحظہ فرمائیں)

© rasailojaraid.com